عزّت اور کامیابی محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی

(فرمودہ ۲۴- دسمبر ۱۹۱۵ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-
اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ- وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ- الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ- وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ- فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا- اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا- فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ- وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ [1]-
اس کے بعد فرمایا-
دنیا کی کوئی ترقی اور کوئی کامیابی کوئی عزت اور کوئی رتبہ کوئی درجہ اور کوئی امتیاز ایسا نہیں ہے جو بغیر محنت اور کوشش کے انسان کو حاصل ہوسکے- جس قدر کوئی چھوٹی کامیابی ہوگی اس کے لحاظ سے انسان کو بھی تھوڑی ہی محنت اور مشقّت برداشت کرنی پڑے گی اور جس قدر بڑی کامیابی اور بڑا مدعا ہوگا اسی قدر اس کے حصول کیلئے بہت کوشش اور محنت کرنی پڑے گی-
تو چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی انسان کو کچھ نہ کچھ محنت اور مشکل ضرور پیش آتی ہے- سوائے ان چیزوں کے حصول کے جن کی انسان کو ہر وقت اور ہر لمحہ ضرورت رہتی ہے اور جن کے بغیر وہ ایک دم بھی زندہ نہیں رہ سکتا- باقی جس قدر بھی چیزیں ہیں وہ اسی قسم کی ہیں کہ ان کے لئے انسان کو ضرور تھوڑی بہت محنت مشقّت برداشت کرنی پڑتی ہے- وہ چیزیں جو بغیر محنت کے حاصل ہوتی ہیں اور جن پر انسان کی بقا منحصر ہے اور جن کا ہر وقت وہ محتاج

ہے ان میں سے ایک ہوا ہے۔ اس کی انسان کو سوتے بھی جاگتے بھی چلتے بھی پڑتے بھی بیٹھتے بھی کھاتے بھی پیتے بھی پہنتے بھی اتارتے بھی غرضیکہ ہر وقت اور ہر گھڑی ضرورت ہے اور ہر ایک انسان ہر حالت میں ہوا کا محتاج ہے اور کوئی ایسا وقت انسان پر ایسا نہیں آتا کہ وہ ہوا سے مستغنی ہو۔

کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی سوئے اور سانس نہ لے اور پھر زندہ اٹھ کھڑا ہو۔ کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ کوئی پیئے اور سانس نہ لے۔ بلکہ ہر آن اور ہر حالت میں ہر انسان اس کو استعمال کرتا ہے۔ لیکن خدا نے اس کیلئے کوئی قیمت اور کوئی محنت نہیں رکھی۔ تم کبھی کسی انسان کو نہ دیکھو گے کہ وہ ہوا کے حصول کیلئے کوشش کررہا ہو بلکہ خدا تعالیٰ کی چلائی ہوئی ہوا خود بخود اس کے پھیپھڑوں میں چلی جاتی اور اس کو زندہ رکھتی ہے لیکن وہ دوسری چیزیں جن کا انسان محتاج ہے لیکن ہوا سے کم درجہ پر محتاج ہے' ان کے حصول کیلئے ضرور محنت کرنی پڑتی ہے۔ تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا کہ پانی جیسی ضروری چیز جس کے بغیر انسان دو یا تین دن کے اندر مر جاتا ہے یا کھانے جیسی ضروری چیز جس کے بغیر پانچ دس دن تک زندہ رہ سکتا ہے کسی کے منہ میں پانی یا کھانا خود بخود چلا گیا ہو۔ پانی کبھی خود بخود منہ میں نہیں جاتا۔ اسی طرح روٹی کبھی اپنے آپ منہ میں نہیں چلی جاتی۔ لیکن ہوا خود بخود جاتی اور ہر وقت جاتی ہے کیوں؟ اس لئے کہ اس کے بغیر تو انسان ایک سیکنڈ بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن کھانے پینے کے بغیر کچھ عرصہ رہ سکتا ہے۔ اور ہر وقت ان کی ضرورت نہیں رہتی۔ تو چونکہ ان کے بغیر انسان کچھ وقت تک زندہ رہ سکتا ہے اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کے حصول کیلئے کچھ نہ کچھ محنت رکھ دی ہے۔ اور وہ ہر ایک امیر سے لے کر غریب تک کو کرنی پڑتی ہے۔

دیکھو پانی کیلئے اول تو یہ محنت کرنی پڑی ہے کہ کنواں کھودا جاتا ہے۔ لیکن اگر کنواں کھُدا ہوا بھی ہو تو پھر اس سے پانی نکالنا پڑتا ہے اور اگر گھڑوں میں بھی سقّہ ڈال جائے تو گھڑے سے نکالنا پڑتا ہے اور اگر کوئی گھڑے سے بھی ڈال دے تو منہ میں ڈال کر حلق سے نیچے کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر کوئی پانی کے پینے کیلئے یہ کہے کہ خود بخود ہی منہ میں چلا جائے اور پھر خود بخود ہی پیٹ میں چلا جائے تو یہ کبھی نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح کھانے کیلئے ہے۔ انسان کو ضرور کچھ نہ کچھ محنت کرنی پڑتی ہے اگر سب کچھ تیار بھی مل جائے تو بھی لقمہ توڑ کر منہ میں ڈالنے دانتوں سے چبانے اور حلق سے نگلنے کی محنت ضرور گوارا کرنی پڑے گی۔ پس ہم دنیا میں

دیکھتے ہیں کہ وہ چیزیں جن کا انسان ہر وقت محتاج ہے مگر کچھ عرصہ کیلئے صبر بھی کر سکتا ہے۔ ان کیلئے یہ شرط خدا تعالیٰ نے لگا دی ہے کہ وہ بغیر محنت کے حاصل نہیں ہو سکتیں' دوسری چیزوں کا تو ٹھکانا ہی نہیں۔ یہی دیکھ لو کہ لڑکے جب باہر بیر کھانے کیلئے جاتے ہیں تو کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بیروں کی خاطر جھاڑیوں کے کانٹوں سے ان کے ہاتھ لہولہان ہو جاتے ہیں اور ایک بیر کی خاطر کانٹوں میں ہاتھ ڈالتے اور چُن کر نکالتے ہیں۔ خون بہہ رہا ہے مگر وہ بڑے خوش ہوتے اور کہتے ہیں کیا مزے کا بیر ہے اور کیسا میٹھا ہے۔ یہ تو بچوں کی مثال ہے اگر اس سے آگے چلو تو جتنا بڑا کسی کا مدعا پاؤ گے اتنی ہی بڑی اسے محنت اور مشقت کرتے بھی دیکھو گے۔ طالب علموں کی پڑھائی کو ہی لے لو۔ لڑکے پڑھائی میں محنت کرنا بہت ضروری اور لابُدّی سمجھتے ہیں اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے حاصل کرلینے سے زندگی آرام اور آسائش سے گذرے گی۔ تو طالب علم کے حصول کیلئے بہت ہی محنتیں کرتے ہیں۔ بلکہ بعض تو مسلول ہو کر مر بھی جاتے ہیں ان کو اپنا مدعا ابھی حاصل بھی نہیں ہوتا کہ وہ اس کے حصول میں اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔ پھر جو اپنے مدعا کو پہنچتے ہیں وہ بہت نفس کشی اور محنت کے بعد پہنچتے ہیں۔ گویا ہر روز مر کر علم حاصل کرتے ہیں یہ کبھی نہیں ہوگا کہ کوئی انسان علم کے سیکھنے کیلئے نہ محنت کرے اور نہ کوشش لیکن سوتا ہوا اٹھے تو سب علموں سے واقف ہو جائے یا گھر بیٹھا رہے اور مدرسہ میں نہ جائے تو عالم بن جائے اور اسے سارے علوم آجائیں۔ پھر اس موجودہ جنگ کو ہی دیکھ لو کہ اس میں کس قدر خونریزی ہو رہی ہے۔ ہزارہا انسان فنا ہو رہا ہے۔ اور کروڑوں کا گولہ بارود خرچ ہو رہا ہے۔ اور دیگر اخراجات اس قدر ہیں کہ ایک دن میں ایک ایک سلطنت کا اتنا خرچ اُٹھ جاتا ہے جتنی بڑی بڑی ریاستوں بلکہ حکومتوں کی سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ فقط ایک سلطنت برطانیہ نے اعلان کیا تھا کہ چار گھنٹے کی جنگ میں جو صرف پچاس گز زمین حاصل کرنے کیلئے تھی اس قدر گولہ بارود خرچ ہوا ہے کہ جتنا ٹرانسوال [۲] کی اڑھائی سال کی لڑائی میں خرچ ہوا تھا۔ تو اس جنگ میں جو گولہ بارود استعمال ہو رہا ہے اس کے ایک ایک گولے کی قیمت پندرہ پندرہ سو روپیہ ہوتی ہے۔ پھر ایسے گولے برسات کی طرح دشمن کی فوج پر پڑتے ہیں اس سے حساب کرلو کہ کس قدر روزانہ خرچ صرف گولہ بارود پر ہوتا ہے لیکن جانتے ہو اس قدر خرچ کرنے کی کیا وجہ ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہر ایک سلطنت یہ کہتی ہے کہ ہماری قوم کی آزادی نہ چھِن جائے۔ اس غرض کیلئے خون کے دریا بہائے جا رہے

ہیں، روپیہ بے انتہا خرچ کیا جارہا ہے، وقت خرچ کیا جارہا ہے۔ پھر فتح جس کی قسمت میں ہوگی اس کو حاصل ہوگی۔ مگر دیکھتے ہو محنت کس قدر ہورہی ہے کتنے ہی ایسے گھر ہیں جنہوں نے اس آزادی کیلئے تلوار اٹھائی لیکن سب مارے گئے اور اب ان گھروں میں کوئی مرد نہیں۔ اخبارات میں اس قسم کے حالات چھپتے رہتے ہیں کہ فلاں کے گھر میں سات مرد تھے ساتوں جنگ میں مارے گئے۔ لیکن اس طرح مرنے سے کمی نہیں آتی بلکہ ان کی جگہ اَور کھڑے ہوجاتے ہیں۔ ایک مر کر گرتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ کھڑا ہوجاتا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اپنی قوم کی عزت اور آزادی برقرار رہے۔

غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو بغیر محنت کے حاصل ہو۔ پانی اور کھانے سے لے کر بڑی سے بڑی حکومت تک کے تمام کے تمام مقاصد ایسے ہیں جو محنت کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے پھر کون نادان ہے جو یہ کہے یا سمجھے کہ خداتعالیٰ سے تعلق گھر بیٹھے بغیر محنت اور کوشش کے ہوجائے جبکہ علم، دولت، عہدہ، رتبہ، روٹی، پانی خود بخود حاصل نہیں ہوجاتے۔ بلکہ ان کیلئے محنت کرنی پڑتی ہے تو پھر خداتعالیٰ سے تعلق کس طرح بغیر کوشش کے ہوسکتا ہے اس کیلئے تو بڑی بڑی قربانیاں اور محنتیں کرنی پڑتی ہیں تب انسان کامیاب ہوتا ہے لیکن یہ محنتیں اور کوششیں اس کامیابی کے سامنے جو خداتعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہیں کچھ بھی مقابلہ نہیں کرسکتیں مجھے اخباروں میں اس قسم کی باتیں دیکھ کر حیرت ہوا کرتی ہے کہ فلاں مقام پر اتنے سَو گز زمین حاصل کرنے کیلئے اتنے آدمی مارے گئے ہیں اور پھر ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ اس قربانی کے مقابلہ میں ہمیں فائدہ بہت زیادہ ہوا ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ جب انعام بڑا ہو تو اس کے حصول کیلئے خواہ کتنی ہی محنت اور مشقت کیوں نہ برداشت کرنی پڑے، اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ دیکھو علم کے پڑھنے میں کتنا روپیہ اور وقت صرف کیا جاتا ہے۔ اور کس قدر محنت کرنی پڑتی ہے لیکن کیا کبھی کسی نے علم پڑھنا اس لئے بھی چھوڑ دیا ہے کہ اس کیلئے روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے یا محنت کرنی پڑتی ہے ہرگز نہیں کیوں اس لئے کہ اس روپیہ اور محنت کے بعد جو چیز ملتی ہے وہ بہت بیش قیمت ہے۔ اور جہاں انعام بڑا ہوتا ہے وہاں قربانی بھی بڑی کرنی پڑتی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ جہاں انعام بڑا ہو اس کیلئے جو قربانی کی جاتی ہے اس کو بے حقیقت سمجھا جاتا ہے۔

لیکن کوئی یہ خیال نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ جو خالق ہے مالک ہے رازق ہے وہ مل جائے

تو اس کیلئے محنتیں اور تکلیفیں اٹھانا کیا چیز ہیں۔ اِس وقت مَیں نے جو سورہ پڑھی ہے اس میں خداتعالیٰ نے اسی طرف متوجہ کیا ہے۔ خداتعالیٰ نے یہ سورہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرکے فرمائی ہے لیکن میرے نزدیک قرآن شریف کی کوئی آیت ایسی نہیں جو آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرکے فرمائی گئی ہو اور دوسرے لوگ بھی اس کے مخاطب نہ ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ بعض آیات ایسی ہیں کہ اگر آنحضرت ﷺ مخاطب ہوں تو ان کے اَور معنی ہوں گے اور اگر ہم مخاطب ہوں تو اَور۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن شریف کی آیتوں کے کئی کئی معنے ہوتے ہیں۔ اس وقت میری غرض اس سورہ کے وہ معنی بیان کرنا نہیں جو آنحضرت ﷺ کے مخاطب ہونے کی صورت میں ہیں بلکہ وہ معنے بیان کرنے ہیں جو ہمارے متعلق ہیں۔

یہ ایک صاف بات ہے کہ وہ انسان جس کو اپنے کام اور کوشش کا نتیجہ معلوم ہو جس شوق اور محنت سے کام کرتا ہے' اس شوق اور محنت سے وہ شخص نہیں کرتا جسے کوئی امید نہ ہو۔ اسی بات کو مدنظر رکھ کر خداتعالیٰ فرماتا ہے اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ اے انسان! کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سینہ کھولنے سے کیا مراد ہے۔ آیا سینہ چاک کیا گیا یا کچھ اَور؟ اس کے متعلق خداتعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان فرمادیا ہے۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ؎ پس جس کو خداتعالیٰ چاہتا ہے کہ ہدایت دے اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کو قبول کرنے کی توفیق کے معنے سینہ کھولنے کے ہیں۔ تو اسلام کیلئے سینہ کا کھلنا شرح صدر ہے اب سوال ہوتا ہے کہ اسلام کو قبول کرنے کا نام کیوں شرح صدر رکھا گیا ہے۔ اور دوسرے مذاہب بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارا دین طمانیت دینے والا مذہب ہے۔ اور ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اپنے مذہب پر پورا اطمینان رکھتے ہیں اس لئے ان مذاہب کے متعلق بھی کیوں نہ یہی کہا جائے۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ صرف اسلام کیلئے استعمال ہوسکتا ہے اور اسلام نے ہی کیا ہے اور اس میں بہت بڑی حکمت ہے کہ گو عرفاً ہم دوسے مذاہب کیلئے بھی شرح صدر کا لفظ بول سکتے ہیں لیکن اصل میں صرف اسلام ہی اس کا مصداق ہے کیونکہ دوسرے مذاہب والے لوگ اپنے مذہب کے سچا ہونے کے متعلق دلیل کوئی نہیں رکھتے بلکہ وراثتًا اس پر شرح صدر رکھتے ہیں اور اسلام اپنے ساتھ دلائل رکھتا ہے' کوئی بات رسمی طور

پر یا وراثتاً نہیں منواتا- اس لئے اصل میں شرح صدر اسی کا ہوتا ہے تو خداتعالیٰ نے فرمایا- اے انسان! کیا ہم نے تجھے ایسی جگہ پر کھڑا نہیں کردیا کہ تو ضد اور ہٹ کی وجہ سے یا بہ تقلید آبائی مسلمان بنا رہے بلکہ ہم نے تجھے ایسے دلائل اور براہین دیئے ہیں اور ایسی مضبوط جگہ پر کھڑا کیا ہے کہ تجھے کبھی وہم بھی نہیں آسکتا کہ اسلام جھوٹا یا ہے اس کی کوئی بات غلط ہے- اب بتاؤ کہ کیا یہ ایک بہت بڑا انعام نہیں؟ کہ انسان کو خداتعالیٰ ایسے مذہب کا پیرو بنائے جس کی نسبت کبھی وہم بھی نہ آسکتا ہو کہ جھوٹا ہے اور پھر اس مذہب پر چل کر انسان خداتعالیٰ کو اسی دنیا میں دیکھ لے اس سے بڑھ کر اور کیا انعام ہوسکتا ہے- دوسرے مذاہب والے گو ماں باپ کی وجہ سے یا قومی لحاظ سے اپنے اپنے مذاہب پر شرح صدر رکھیں- لیکن جب بھی عقل کی روشنی ان کو پہنچے گی اور وہ اپنے مذہب کے اصولوں پر غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ ہمارے پاس کوئی دلائل اور براہین نہیں ہیں-

ایک دفعہ ایک پادری سے میری گفتگو ہوئی- پہلے روز مسئلہ وحدانیت پر بات چیت ہوئی تو کہنے لگا- کہ یہ ایک باریک مسئلہ ہے ایشیائی دماغ اس کو نہیں سمجھ سکتے- مَیں نے کہا- مسیحؑ بھی تو ایشیائی ہی تھے کیا ان کو بھی اس کی سمجھ آئی تھی یا نہیں- اس پر خاموش ہوگیا اور کہنے لگا- اچھا کل گفتگو کریں گے- دوسرے دن پھر میں اس کے پاس گیا وہ مجھے جانتا نہ تھا- اس دن مسئلہ کفارہ پر بحث ہوئی- آخر کار بہت گھبرایا- کبھی عینک اُتارتا- کبھی ادھر جھانکتا کبھی اُدھر- اور آخر کہنے لگا کہ مَیں اس مسئلہ کو اس لئے مانتا ہوں کہ عیسائیوں کے گھر میں پیدا ہوا ہوں- ورنہ میرے پاس اس کے متعلق کوئی دلائل نہیں ہیں- تو اس میں کچھ شک نہیں کہ اسلام کے سوا جس قدر بھی دوسرے مذاہب ہیں وہ ایسی باتوں کے متعلق تو کچھ نہ کچھ دلائل رکھتے ہیں جو اسلام کے مطابق ہیں- اور وہ بھی اسلام ہی کے سنے سنائے- لیکن وہ جو اسلام کے خلاف ہیں- ان کی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے یونہی ان کے معتقد ہیں اور اسی وقت تک ان پر شرح صدر رکھتے ہیں جب تک کہ ان کے متعلق انہوں نے سوچا نہیں یا غور نہیں کیا- جس طرح ایک پاگل اپنے آپ کو بادشاہ کہتا ہے- اور اس پر شرح صدر بھی رکھتا ہے- کیوں اس لئے کہ وہ اس حقیقت کو سوچ نہیں سکتا- کہ مَیں کیا ہوں اسی طرح ایک کافر کا کفر پر شرح صدر ہوتا ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ اپنے پاس اس کی تائید میں کوئی معقول دلائل اور براہین رکھتا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کو کفر وراثتاً ملا ہوتا ہے اور وہ اس کے متعلق سوچتا

نہیں اور غور نہیں کرتا- لیکن اسلام ایک ایسا مذہب ہے کہ اس کی باتوں پر جتنا بھی کوئی غور کرے اور سوچے اتنا ہی اس کے دل پر اس کی سچائی اور صداقت نقش ہوتی جاتی ہے اور شرح صدر ہوتا جاتا ہے اور باریک در باریک باتیں کھلتی جاتی ہیں-

یہی اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک بہت بڑا فرق ہے کہ ان پر غور و فکر کرنے سے انسان کشیدہ خاطر ہوتا اور جس قدر زیادہ غور کرے اتنا ہی زیادہ بدظن ہوتا جاتا ہے- لیکن اسلام کے مسائل پر جتنا بھی زیادہ غور کیا جائے اتنا ہی زیادہ گرویدہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اسلام کے متعلق شک میں ہوتا ہے یا کسی بات کو غلط سمجھتا ہے تو اسی لئے کہ اس نے اسلام کے متعلق غور نہیں کیا ہوتا اور اچھی طرح سوچا نہیں ہوتا- تو اس آیت کے یہ معنے ہیں کہ اے مسلمان! کیا ہم نے تجھے اسلام جیسے مذہب پر کھڑا نہیں کیا- اور براہین اور دلائل سے تیرا شرح صدر نہیں کیا- ضرور کیا ہے تو جب تجھ کو ہم سے یہ نعمت حاصل ہوئی ہے تو تجھے معلوم ہے کہ تیرا فرض کیا ہے تو دیکھ ایک کافر جس کو ورثہ میں اپنا مذہب ملا ہوتا ہے اور وہ اس کے سچے ہونے کی کوئی دلیل اپنے پاس نہیں رکھتا وہ اپنے مذہب کے پھیلانے کے متعلق کیا کیا کوششیں کررہا ہے تو پھر تو جو اسلام کو سچا سمجھتا ہے اور ورثہ کے طور پر نہیں بلکہ دلائل اور براہین کے ساتھ' تو تجھے اس کے پھیلانے کیلئے کس محنت اور ہمت سے کام کرنا چاہیئے-

خدا تعالیٰ نے پہلی حُجّت ہر ایک مسلمان پر اس طرح فرمائی کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ- کیا اسلام کی وجہ سے ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا- یعنی اسلام کے متعلق سب باتوں کے تجھے براہین اور دلائل دے دیئے ہیں- اب تو سمجھ کہ تجھے کس محنت اور کوشش سے کام لینا چاہیئے-

پھر فرمایا: وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِيٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ- جب انسان کو کوئی کام بتایا جائے تو اس کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اب مَیں اسے کروں تو کیونکر کروں- اس وقت اس کے سامنے دو باتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ جس طرح مَیں کام کرنا چاہتا ہوں یہ درست اور ٹھیک ہے یا نادرست اور غلط- دوسری یہ کہ کونسا طریق ایسا ہے کہ مَیں اس آسانی سے کرسکوں اور ناواقفی کا جو بوجھ مجھ پر پڑا ہوا ہے اس کو اتار دوں- واقعہ میں جب تک کسی کام کے کرنے کا طرز اور طریق معلوم نہ ہو انسان پر ایک بہت بڑا بوجھ ہوتا ہے لیکن جب اس کے کرنے کا

کوئی راستہ معلوم ہوجائے تو وہ بوجھ اُتر جاتا ہے- اسی لئے گورنمنٹ برطانیہ نے جو ایک بہت دانا گورنمنٹ ہے ہر ایک محکمہ کے کاروبار کے فارم اور نقشے بنادیئے ہیں تا جو کوئی بھی کام کرے وہ آسانی سے کرسکے- اس طرح ہر ایک انسان سہولت سے کام کرسکتا ہے لیکن اگر ایسا نہ ہو تو ہزارہا ملازم بھی اس قدر کام نہ کرسکیں جس قدر موجودہ صورت میں چند آدمی کرلیتے ہیں- تو کام کرنے والے کو کام کے طریق بتادینا ایک بڑی مدد اور تائید ہوتی ہے اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو ہر ایک انسان کام کے بوجھ کو نہیں اٹھاسکتا تو خداتعالیٰ نے فرمایا کہ یہی نہیں کہ جس راستہ کی طرف تم لوگوں کو بلاتے ہو اس کیلئے ہم نے تمہیں بڑے بڑے دلائل اور براہین دے دیئے ہیں بلکہ یہ بھی کہ وہ بوجھ جس کو انسان آپ اٹھانا چاہتا تھا اور اس نے اس کی کمر توڑدی تھی' ہم نے اس کو بھی دور کردیا- یعنی خدا نے اپنے تک پہنچنے کا طریق اور رستہ بھی خود ہی بتادیا- دیکھو جتنی قوموں نے خداتعالیٰ کے پاس اپنی عقل سے پہنچنا چاہا ان کی کمر ٹوٹ گئی ہے اور وہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں-

اس زمانہ میں ایسی قوم کی تازہ مثال برہمو سماج کی ہے تو خداتعالیٰ نے فرمایا کہ ایک ایسا بوجھ جس نے تیری کمر کو توڑ دینا تھا اس کو ہم نے اٹھا دیا ہے- چنانچہ خداتعالیٰ نے قرآن کریم کے ذریعہ وہ سب باتیں بتادی ہیں جن کی ہدایتِ انسانی کیلئے ضرورت تھی اب انسان کا اتنا ہی کام ہے کہ قرآن شریف کو کھول کر پڑھ لے اور ان پر عمل کرنا شروع کردے- اب بوجھ ہلکا ہوگیا اور کمر سیدھی ہوگئی- تو فرمایا وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ- پھر انسان کو خیال آتا ہے کہ جو کام میں کررہا ہوں یہ اچھا ہے اور اس کے کرنے کا طریق بھی مجھے معلوم ہوگیا ہے لیکن اس کا کوئی نتیجہ بھی ہوگا یا نہیں- اس کیلئے فرمایا وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ- اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تمہارا درجہ اتنا بلند ہوگا اتنا بلند ہوگا کہ تم کیا تمہارا ذکر بھی بلند کردیا جائے گا- یہ بہت بڑا درجہ ہے کیوں؟ اس لئے بہتیرے انسان ایسے ہوتے ہیں جو آپس میں درجہ کے لحاظ سے تو برابر ہوتے ہیں لیکن ذکر میں برابر نہیں ہوتے- مثلاً کسی سلطنت کے وزراء کو ہی لے لو' بعض کو گو بہت عرصہ گزرچکا ہے لیکن ان کے نام اب تک مشہور ہیں اور بعض کو کوئی جانتا بھی نہیں- انگریزوں کی سلطنت کے بھی بہت سے وزیر ہیں لیکن ذکر بلند چند کا ہی ہے تو ذکر کا بلند ہونا خاص خاص لوگوں کے حصہ میں آتا ہے- اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے تیرا ذکر بہت بلند کردیا ہے- یعنی اگر کوئی میرے اس بتائے ہوئے راستہ پر چلے گا تو کوئی

اس کا نام مٹا نہیں سکے گا- دیکھ لو آنحضرت ﷺ تو خَاتَمَ النَّبِيّن تھے- آپ کا کیا ذکر ہے دوسرے لوگوں کو دیکھو جو قرآن کریم پر چلے کہ کتنا ان کا ذکر بلند ہوا- آج اگر کوئی سکندر جیسے عظیم الشان بادشاہ کو علی الاعلان گالیاں نکالے تو نکال سکتا ہے یا گشتاسپ اور طہماسپ کو برابھلا کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے- فراعنہ مصر اور قیاصرہ قسطنطنیہ کو گالیاں دے سکتا ہے اور کوئی ہتھکڑی اس کے ہاتھوں میں نہیں پڑتی مگر اسلام کے بزرگوں کو کوئی گالیاں دے تو اسے معلوم ہوجائے کہ مسلمانوں کو کس طرح جوش آتا ہے اور ایک ایسی حکومت بھی جس کا اور مذہب ہے اس کے گرفتار کرنے کیلئے تیار ہوجاتی ہے- حالانکہ اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی اتباع نہ کرتے تو ان کی کیا حیثیت تھی ایک معمولی تاجر تھے لیکن جب وہ قرآن کریم کی تعلیم پر چلے تو لاکھوں آدمی ان کیلئے جانیں قربان کرنے کیلئے تیار ہیں-

تو یہ ذکر بلند ہوا جو اَور کسی کو حاصل نہ ہوا- اس سے زیادہ حضرت مسیح موعودؑ کو دیکھ لو- قادیان کی کیا ہستی تھی اور کون اسے جانتا تھا- لیکن خداتعالیٰ کی ایسی تائید اور نصرت ہوئی کہ جو کسی اور شہر کو حاصل نہ ہوئی- جانتے ہو یہ کس طرح ہوئی- اس طرح کہ ایک شخص نے ایسے وقت میں اس کے مشہور عام ہونے کے متعلق کہا جبکہ اس شخص کو گاؤں کے لوگ بھی نہ جانتے تھے اور پاس پاس کے گاؤں والے بھی ناواقف تھے- آپ ایک حُجرے میں بیٹھنے والے تھے لیکن دیکھتے ہو اب وہی انسان ہے جو تمام دنیا میں بلند ہوگیا ہے- انگلستان کے عوام لوگ جو نشۂ حکومت میں ہندوستانیوں کو کالے لوگ کہتے ہیں ان میں سے بُہتوں نے آپ کی غلامی کو اپنے لئے فخر سمجھا ہے- انہی میں سے ایک نے مجھے لکھا ہے کہ مَیں کبھی نہیں سوتا جب تک کہ احمد مسیح موعود پر درود نہ بھیج لوں- تو چونکہ اس انسان نے قرآن کریم کا عملی نمونہ پورے طور پر دکھایا- اس لئے وہ لوگ جو اپنے آپ کو ذی وجاہت اور صاحبِ عزت سمجھتے تھے اور بڑے بڑے ہندوستانیوں کو کالا آدمی کہتے تھے' وہ نہیں سوتے مگر آپ پر درود بھیج کر- تھوڑا ہی عرصہ ہوا ولایت سے ایک عورت نے لکھا تھا کہ ایک رات میں نے ٹیچنگز آف اسلام (Teachings of Islam) کو پڑھا- اور پڑھ کر میری نیند اُڑ گئی اور مَیں ساری رات جاگتی رہی مَیں تھوڑا سا پڑھتی اور پھر غور کرتی کہ کیا ایسا لکھنے والا کوئی انسان دنیا میں ہوسکتا ہے- پھر وہ لکھتی ہے کہ کاش! وہ پاک انسان زندہ ہوتا تو مَیں اس کو ہاتھ ہی لگا لیتی- اور مجھے پورا یقین ہے اگر ہاتھ لگاتی تو روحانیت بجلی کی طرح میرے جسم میں داخل

ہو جاتی- اچھا اگر میں نے اس کو نہیں دیکھا تو یہی شکر ہے کہ اس کے دیکھنے والے کو ہی دیکھ لیا ہے- (یعنی چوہدری فتح محمد صاحب کو) تو یہ ذکر بلند ہوتا ہے- خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ- اے مسلم تیرا ذکر بہت ہی بلند کیا جائے گا یہ کتنا بڑا انعام ہے پھر فرمایا- فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا- بعض آدمی ایسے ہوتے ہی جن کا ذکر تو بلند ہو جاتا ہے لیکن ان کی ذات کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا- جیسے ایک فوجی آدمی اپنی بہادری اور جانثاری سے بہت بڑی فتح حاصل کرلے لیکن ساتھ ہی مارا بھی جائے تو گو اس کا نام مشہور ہو جائے گا لیکن اس کو کچھ فائدہ نہ ہو گا-

اسی طرح یہاں بھی کسی کو خیال ہوسکتا تھا کہ ممکن ہے کہ میرا نام تو بلند ہو جائے لیکن مجھے کوئی فائدہ نہ پہنچے- اس لئے فرمایا اے مسلم تو یہ خیال مت کر کہ اس رستہ میں تجھے کوئی غم' تکلیف اور دُکھ اس قسم کا بھی آئے گا جس کا تجھے کچھ فائدہ نہ پہنچے گا- دنیا کے لوگ سکھ حاصل کرنے کیلئے بڑی بڑی محنتیں کرتے اور تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ وہ کچھ فائدہ نہیں اٹھاسکتے- لیکن ہمارے راستہ میں اگر ایک دکھ اور تکلیف برداشت کرنی پڑے تو ہم اس کے بدلہ میں دو سکھ دیں گے اور کوئی ذرا سی محنت اور کوشش بھی رائیگاں نہیں جانیں دیں گے- دیکھو اس لڑائی میں بہت بڑی تعداد انسانوں کی ماری جاچکی ہے لیکن طرفین سے ابھی تک کوئی نہیں تھکتا- کیوں؟ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ دنیاوی کامیابی حاصل ہو- لیکن دیکھو خدا تعالیٰ فرماتا ہے ہم ایک دکھ کے بدلہ تجھے دو سکھ دیں گے- یعنی ایک سُکھ اس دنیا میں اور ایک آخرت میں- پس اے مسلم! تو سوچ کہ تجھے دین اسلام کے پھیلانے میں کس قدر محنت اور کوشش کرنی چاہیئے-

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ- لیکن ہم یہ نہیں کہتے کہ تو دنیا کے کاروبار کو چھوڑ کر بیٹھ جا اور کوئی کام نہ کر بلکہ جب تو ان کاموں سے فارغ ہو لے تو تجھے چاہیئے کہ خدا کے ملنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلئے کوشش کرے- خدا تعالیٰ انسان کو فرماتا ہے کہ ہم تجھ سے اتنی قربانی نہیں چاہتے کہ سب کچھ چھڑادیں بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی کرو اور ہمارے ملنے کی کوشش بھی کرتے رہو- یہ خدا تعالیٰ نے انسان کیلئے آسانی کردی ہے- دنیا کے کام اس طرح نہیں ہوتے کہ دو کاموں میں انسان مصروف رہے- مثلاً اس طرح کہ فوجی سپاہی لڑے بھی اور کوئی دوسرا کام بھی کرے- یا طالب علم پڑھے بھی اور محنت مزدوری بھی کرے- لیکن خدا تعالیٰ

فرماتا ہے کہ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۔ ہم ایسا نہیں چاہتے بلکہ اس طرح وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ۔ کہ فُرصت کے وقت اپنے رب کی طرف رغبت کیا کر۔ پس اس محنت کو دیکھا جائے اور پھر اس انعام کو دیکھا جائے اگر انعام سے اس کا مقابلہ کیاجائے تو اس کے مقابلہ میں محنت کچھ بھی نہیں۔ پس ہر ایک مومن کو یہ محنت کرکے اس بڑے انعام کو ضرور حاصل کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسلام پر شرح صدر عطا فرمائے اور ہمارے رستہ کو صاف کردے۔ ہماری کوششوں کو کامیاب اور بامراد کردے قرآن شریف کی سمجھ عطا فرمائے اور اس طریق پر چلنے کی توفیق دے جس پر چل کر اس کی رضامندی حاصل ہوجائے۔ آمین۔

(الفضل ۴۔جنوری ۱۹۱۶ء)

۱؎ الانشراح:۲تاآخر

۲؎ ٹرانسوال (TRANSVAAL) جمہوریہ جنوبی افریقہ کا شمالی صوبہ۔ ۱۸۳۶ء میں آباد کیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں اِسے برطانیہ نے آزاد مملکت کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ زولو حکمرانوں سے مخاصمت کی بناء پر برطانیہ نے ۱۸۷۷ء پر اِس پر قبضہ کرلیا لیکن ۱۸۸۰ء میں ٹرانسوال کے باغیوں نے مجوبا کی پہاڑیوں کے قریب برطانوی فوجوں کو شدید ضرب لگائی جو بالآخر ٹرانسوال میں جمہوریت کی بحالی پر منتج ہوئی۔ جنوبی افریقہ کی جنگ (۱۸۹۹ء۔۱۹۰۲ء) کے بعد اِسے برطانوی نو آبادی قرار دیا گیا۔ ۱۹۱۰ء میں اِسے جنوبی افریقہ کی یونین میں بطور صوبہ شامل کرلیا گیا۔

(اردو جامع انسائیکلو پیڈیا جلد اول صفحہ ۴۱۵ مطبوعہ ۱۹۸۷ء لاہور)

۳؎ الانعام:۱۲۶